مصر اور اِخوان

(خلیل حامدی)

ناصر اور اخوان کی کشمکش، جو ۱۹۵۴ء سے پہلی آرہی ہے، اب پھر انتہائی افسوسناک مرحلے میں داخل ہوگئی ہے۔ ۱۹۵۴ء میں اخوان کے چھ سرکردہ رہنما تختۂ دار پر لٹکا دیئے گئے تھے، اور اب دوبارہ تین افراد کو پھانسی دے دی گئی ہے، جن میں نمایاں شخصیت سید قطب کی ہے۔ ان پر الزامات کی لمبی فہرست ہے لیکن سب سے بڑا اور ہولناک الزام یہ ہے کہ وہ صدر ناصر کو قتل کرنا چاہتے تھے اور طاقت کے بل پر ملک میں خونی انقلاب برپا کرنے کی اسکیم تیار کر رہے تھے۔ ان الزامات کی حقیقت کیا ہے اور اخوان کی طرف سے ان الزامات کا کیا جواب دیا گیا ہے، ان دونوں پہلوؤں پر روشنی ڈالنے سے پہلے ان اسباب کا جائزہ لینا ضروری ہے جو درحقیقت اس کشمکش کی تہ میں کام کر رہے ہیں۔

پچھلے چند سالوں میں مصری حکومت نے اپنی خارجہ سیاست کو جس ڈھب پر چلایا ہے، مصر کے سنجیدہ اور محبِ وطن طبقے اس سے خوش نہیں ہیں بلکہ یہ ناخوشی سخت غیظ و غضب اور اضطراب و ہیجان میں تبدیل ہوتی جارہی ہے۔ مصری قوم اسلام کی نام لیوا ہے، اسلامی تاریخ سے اُس کا گہرا رشتہ ہے، اسلامی علوم کا صدیوں سے وہاں چرچا ہے۔ دنیائے اسلام کے ساتھ ہمیشہ اس کے روابط رہے ہیں، ماضیٔ قریب میں اس کے اندر مُصلحین اور اہلِ علم و دعوت کی طاقتور جماعت گزر چکی ہے، شہری آبادی کے مخصوص حلقوں کو چھوڑ کر عام آبادی، جس میں اکثریت دیہاتی فلاحین کی ہے اسلام سے شدید وابستگی رکھتی ہے اور اس کی معاشرتی زندگی میں اسلامی روایات کا گہرا اثر پایا جاتا ہے۔

اس مسلمان قوم کو جس خارجہ سیاست سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے وہ یہ ہے :-

جہاں تک دنیائے اسلام کے مسائل و مشکلات کا تعلق ہے مصر کی خارجہ سیاست، ان کو اسلام یا مسلمانوں کے مسائل کی حیثیت سے نہیں دیکھتی بلکہ ان کیمپوں کی مصلحت کی عینک سے دیکھتی ہے جن کی حاشیہ برداری کا اُسے شرف حاصل ہے، اور یا پھر وہ مصری حکام کی ذاتی اغراض و مصالح کے تابع ہے۔ اس غلط نگاہی نے مصر کی سیاستِ خارجہ کو بے اصول اور ابن الوقت بنا کر رکھ دیا ہے۔

ایک طرف مصری حکومت اسرائیل کی دشمنی کو اپنا اوّلین و آخرین مقصد قرار دیتی ہے، مگر دوسری طرف ان ممالک سے اُس کی گاڑھی چھنتی ہے جنہوں نے نہ صرف اسرائیل کو تسلیم کر رکھا ہے بلکہ اس کی ترقی و توسیع کے لیے کوشاں ہیں۔ یوگوسلاویہ سے دوستانہ تعلقات ہیں۔ حبشہ کے ہیلاسلاسی سے انتہائی دوستانہ ربط ضبط ہے، حالانکہ یہ شخص مسلمانوں کا قاتل ہے اور اسرائیل کے لیے افریقہ کی زمین ہموار کر رہا ہے۔ اریٹیریا کی مسلم آبادیوں میں اس نے کئی اسرائیلی کمپنیوں کو کاروبار کی اجازت دے رکھی ہے۔ ایک مرتبہ امریکی کانگرس میں اس نے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ "میں آئندہ بیس سال میں اُن تمام حبشی مسلمانوں کو عیسائی بنا دوں گا جو میری مملکت میں رہتے ہیں"۔ مکاریوس مصری حکومت کی نگاہ میں اس قدر عزیز ہے کہ ترکی کے خلاف اُسے جنگی اسلحہ تک کی امداد دی گئی۔ اور اب حال ہی میں نقوسیا سے اعلان ہوا ہے کہ اگر ترکی نے قبرص پر حملہ کیا تو اس کی جوابی کارروائی کے لیے مصر کے راکٹ مدد کے لیے پہنچیں گے۔ مکاریوس کی شخصیت کوئی ڈھکی چھپی نہیں ہے، اسی نے قبرصی ترکوں کو بیدردی کے ساتھ قتل کیا ہے، اور یہ درحقیقت آرتھوڈکس کلیسا کی آڑ میں برطانوی استعمار کی خدمت کر رہا ہے۔ مکاریوس نے جب مصر کا دورہ کیا تھا تو اس نے صدر ناصر کی تعریف کرتے ہوئے کہا تھا کہ "موصوف ہمارے ساتھ بڑی ملنساری سے پیش آئے، حتیٰ کہ گفتگو میں انہوں نے فلسطین کے مسئلہ کا ذکر تک نہیں کیا"۔ اسی طرح مصری حکومت بھارت کے ساتھ دوستانہ روابط کا اس قدر لحاظ کرتی ہے کہ بھارت نے پاکستان پر جارحانہ حملہ کر دیا مگر اس کے جواب میں مصری حکومت منہ میں گھنگھنیاں ڈالے بیٹھی رہی۔ بلکہ کاسابلانکا میں منعقد ہونے والی عرب سربراہوں کی کانفرنس میں اس کا موقف یہ تھا کہ دیت نام پر تو قرارداد پاس ہونی چاہیے مگر

کشمیر کا ذکر نہیں ہونا چاہیے۔ اگر اس کانفرنس کے بعض دوسرے ممبر اس غلط پالیسی کے مقابلے میں نہ ڈٹ جاتے تو یہ کانفرنس مسئلۂ کشمیر اور پاکستان پر بھارتی حملے جیسے عظیم حادثہ پر سرے سے کوئی تبصرہ کیے بغیر برخاست ہو جاتی

مصری حکومت اور مصری حکمرانوں کے نامناسب تصرفات نے شام کو ہمیشہ کے لیے تاریک مستقبل کے حوالے کر دیا۔ شام نے مصر کے ساتھ جو جذبہ انگیز اتحاد کیا تھا اُس کا تقاضا تھا کہ شامیوں کی اس عظیم تاریخی قربانی کی قدر کی جاتی اور جن داخلی مشکلات کی وجہ سے انہوں نے مصر کے دامن میں پناہ لی تھی اُنہیں حل کرنے میں مدد دی جاتی۔ یہ ہر شخص کو معلوم ہے کہ شام نے کمیونسٹوں کی دراندازیوں سے خائف ہو کر مصر کے ساتھ الحاق کیا تھا۔ مگر مصری حکام نے شام میں جس لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کیا اُس کی وجہ سے شام کو مصر سے علیحدگی اختیار کرنی پڑی۔ اور اب اس کی کیفیت یہ ہے کہ وہ آسمان سے گر کر کھجور میں اٹکا ہوا ہے۔ اس سے پہلے مصر سوڈان کو ضائع کر چکا ہے۔ وادیٔ نیل کے اتحاد کی کمند سر بام آ کر ٹوٹ گئی۔ نجیب کے ساتھ مصری حکام کا ظالمانہ سلوک سوڈانی عوام کو مصر سے متنفر کرنے کا سبب بن گیا۔ اور اب مصری حکومت اپنی سابق غلطیوں کی تلافی کے بجائے مزید غلطیوں کا ارتکاب کر رہی ہے۔ چونکہ سوڈان کی موجودہ حکومت مصر سے اتحاد کے حق میں نہیں ہے، اس لیے مصری حکام اُسے زک دینے کے لیے جنوبی سوڈان کے کمیونسٹوں کو اس کے خلاف بھڑکا رہے ہیں۔ حکومت سوڈان اُس مصری اسلحہ کا انکشاف بھی کر چکی ہے جو مصر سے جنوبی سوڈان میں داخل ہوا ہے۔

اب یمن کے مسئلے کو لیجیے۔ حقیقت یہ ہے کہ یمن کا مسئلہ مصری حکومت کی ناروا سیاست کے باعث نہ صرف مصر کے لیے بدنامی کا باعث بن گیا ہے بلکہ اسرائیلی ریڈیو کے الفاظ میں پورے عالمِ اسلام کی پیشانی کا کلنک کا ٹیکہ ہے۔ تین سال سے مصری فوجیں یمن میں بیٹھی ہیں۔ ان تین سالوں میں یمنی قبائل پر انہوں نے جو مظالم توڑے ہیں اُن کی تفصیل الگ رُوداد کی محتاج ہے۔ ان تین سالوں میں مصر اپنی فوجوں پر ایک ارب پونڈ صرف کر چکا ہے اور ابھی تک ۵ لاکھ پونڈ روزانہ

عرف ہو رہے ہیں۔ ایک لاکھ کے لگ بھگ افراد جنگ کی بھینٹ چڑھے ہیں، جن میں دس ہزار سے زائد مصری فوجی ہیں اور باقی یمنی باشندے۔ ایک طرف عرب قومیت کے دعوے اور دوسری طرف عرب بھائیوں کا یہ قتل عام۔ ہر محب وطن کے لیے یہ معاملہ تشویشناک بن چکا ہے۔ مصر کے وہ لوگ خاص طور پر اس جنگ سے سخت بیزار ہیں جن کے سپوت صنعاء اور تعز کی پہاڑیوں میں لقمۂ اجل ہوتے ہیں۔ مصری حکومت لاکھ یہ پروپیگنڈا کرے کہ یمن کی جنگ میں مرنے والے "شہید حریت" ہیں، مگر ایک مسلمان کا ضمیر اس بات پر کیسے مطمئن ہو سکتا ہے کہ مسلمان مسلمان کا گلا بھی کاٹے اور شہادت کا درجہ بھی پائے۔ اس صورت حال سے پوری عرب دنیا، یمنی عوام اور مصری قوم سراسیمگی میں مبتلا ہے۔ خود مصری فوج بھی اس سے اُکتا چکی ہے۔ خود صدر ناصر کے ایک رفیق عبداللطیف بغدادی اور کمال الدین حسین جو انکے دست راست شمار ہوتے تھے، اس جنگ سے بیزاری کا اظہار کر چکے ہیں، اور اسی پاداش میں عتاب کے شکار ہو چکے ہیں۔

مسئلہ فلسطین کے ساتھ مصر کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ یہ مسئلہ اب تک جن مراحل سے گزرا ہے اُن کے پیش نظر یہ مسئلہ ہر امکانی حل سے دُور ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اور اب عرب عوام یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ مصری حکومت اس مسئلہ کے صحیح حل کے لیے کوئی مخلصانہ کوشش کرنے کا ارادہ نہیں رکھتی جبکہ اسرائیل کا نفوذ روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔ اوّلاً مصری حکومت اُن ممالک سے دوستانہ تعلقات قائم کیے ہوئے ہے جو نہ صرف اسرائیل کو تسلیم کرتے ہیں بلکہ اسرائیل کے قدم مضبوط کر رہے ہیں۔ دوسری طرف جو ملک اسرائیل کو کچلنے کے لیے مدد دے سکتے تھے اُن سب سے مصری حکام نے سرد مہری کا رویہ اختیار کر رکھا ہے بلکہ کھلی کھلی مخاصمت تک نوبت پہنچا دی ہے۔ مسئلہ فلسطین کے بارے میں مصری سیاست کی نمایاں غلطیاں یہ ہیں کہ اُس نے غزہ پر بین الاقوامی ایمرجنسی فورس کا تسلط تسلیم کر کے اس علاقے کو عملاً اسرائیل کی تگ و تاز کے لیے کھول دیا ہے۔ یہی وہ علاقہ تھا جہاں سے عرب رضاکار اسرائیل میں گھس کر گوریلا وار جاری رکھ سکتے تھے۔ اب بین الاقوامی پولیس عرب رضاکاروں کو اس علاقے میں داخل نہیں ہونے دیتی

اور اسرائیل اطمینان کے ساتھ اس علاقہ میں اپنے اقتصادی منصوبے رُو بکار لا رہا ہے۔ اسی طرح خلیج عقبہ پر بھی بین الاقوامی کنٹرول کو حکومتِ مصر نے تسلیم کر کے یہ خلیج عملاً یہودیوں کے ہاتھ میں دے دی ہے۔ بین الاقوامی کنٹرول سے پہلے یہودیوں کو اس خلیج میں گھسنے کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی۔ مگر اب اُس نے ایلات کے مقام پر عظیم الشان بندرگاہ تعمیر کر لی ہے اور اُس کے جہاز بڑے طمطراق کے ساتھ افریقی ممالک میں آ جا رہے ہیں۔ اس خلیج کے کھل جانے سے وہ ناکہ بندی ختم ہو گئی ہے جس کی وجہ سے اسرائیل سخت پریشانی میں مبتلا تھا اور اس کی اقتصادی حالت شدید بحران کا شکار ہو رہی تھی۔ اب وہ بے کھٹکے افریقی ممالک میں اپنی تجارتی منڈیاں قائم کر رہا ہے اور افریقی ممالک کی کثیر تعداد بھی اس کے دامِ فریب میں مبتلا ہوتی جا رہی ہے۔

یہ تمام تغیّرات مصری حکومت کی آنکھوں کے سامنے اس کی اپنی غلطیوں کی وجہ سے وجود میں آ رہے ہیں جنہیں دیکھ کر عرب عوام کے سینوں میں آگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ مگر مصری حکومت ان کی تلافی کے لیے کوئی ٹھوس اقدام کرنے کے بجائے اب یہ اعلان کر رہی ہے کہ "فلسطین کے مسئلہ کا واحد حل یہ ہے کہ عرب ممالک کی سوشلسٹ اور انقلاب پسند حکومتیں متحد ہو جائیں"۔ یعنی دنیا کے مسلمان اس پر متحد نہ ہوں، تمام عرب بھی اس پر متحد نہ ہوں، صرف وہ عرب ملک متحد ہوں جنہوں نے سوشلزم اختیار کیا ہے! فلسطین کی تنظیم آزادی کے ایک اجلاس میں صدر ناصر نے تقریر کرتے ہوئے کہا ہے:

"میں صراحت سے کہوں گا کہ ہمارے پاس اتنی طاقت نہیں ہے کہ ہم اپنا دفاع بھی کر سکیں کُجا کہ ہم حملہ کرنے کی پوزیشن میں ہوں۔ دریائے اُردن کا رُخ موڑنے کے مسئلے کو بھی سردست ملتوی کر دینا چاہیے"۔

عبدالحکیم عامر نے دورۂ فرانس کے دوران پیرس میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

"جمہوریۂ عرب اسرائیل سے جنگ کی نہ خواہش رکھتی ہے اور نہ ارادہ"۔

اسی دورے میں مصری حکومت نے ہزاروں ڈالر فرانس سے قرض لیا۔ مصر کے ایک فوجی افسر

بریگیڈیر محمد فوزی نے اپنی کتاب "صہیونیت اور اسرائیل" میں ص ۱۳۱ پر لکھا ہے کہ:

"بعض لوگ مسئلہ فلسطین کا حل جنگ قرار دیتے ہیں۔ یہ بالکل غیر معقول بات ہے۔ یہ حل اقوام متحدہ کی ان قراردادوں کے منافی ہے جن پر تمام عرب ممالک دستخط کر چکے ہیں۔ نیز یہ حل پرامن بقائے باہم کے اصول کے بھی خلاف ہے جس کا مصر علمبردار ہے۔"

یہ کتاب قاہرہ میں ملٹری ٹریننگ کالج کے کورس میں شامل ہے۔ کیا یہ بھی کوئی معمہ ہے جسے مصر کے مسلم عوام نہیں سمجھ سکتے کہ مصری حکومت یمن میں ایک ارب پونڈ خرچ کر سکتی ہے، ۶۰ ہزار فوج استعمال کر سکتی ہے، مگر مسئلہ فلسطین کو حل کرنے کے لیے اس کے پاس ذرائع نہیں ہیں۔

دنیائے عرب بلکہ دنیائے اسلام میں اس وقت جو موضوع زبان زدِ عام و خاص ہے وہ ہے "اسلامی اتحاد"۔ عرب سربراہوں کی کانفرنس اپنے گزشتہ اجلاس میں یہ قرارداد پاس کر چکی ہے کہ مسئلہ فلسطین کو صرف عربوں تک محدود رکھنے کے بجائے اسے تمام مسلمانوں کا مسئلہ قرار دینا چاہیے۔ اور اس کے لیے مسلمان حکومتوں کا تعاون حاصل کرنا چاہیے۔ صومالی لینڈ کے سربراہ یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ مسلمان ملکوں کے درمیان بعض مسائل پر اتحاد ہونا چاہیے، اور اس غرض کے لیے مسلمان سربراہوں کی کانفرنس منعقد ہونی چاہیے۔ سعودی عرب کے شاہ فیصل اس تجویز کی تائید کرتے ہیں اور عملاً اس دعوت کو لے کر اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اب تقاضائے عقل و انصاف یہ تھا کہ مصری حکومت بڑھ کر اس دعوت سے تعاون کرتی، بلکہ اس کے مقدمۃ الجیش میں شامل ہوتی۔ مگر اس کے برعکس اس دعوت کی سب سے پہلے جس نے مخالفت کی ہے وہ مصر کے حکمراں ہیں۔ نہ وہ خود اس اسکیم میں شامل ہونے کے لیے تیار ہیں اور نہ دوسرے زیر اثر ممالک کو اس اسکیم میں شامل ہونے کی اجازت دیتے ہیں۔ بلکہ اس اسکیم کا جواب وہ دلیل سے دینے کے بجائے سب و شتم پر اتر آئے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر عرب ممالک کی سوشلسٹ اور انقلاب پسند حکومتیں متحد ہو سکتی ہیں، اور انقلاب اور سوشلزم کے نظریات کو بنائے اتحاد قرار دے سکتی ہیں تو اسلام کی اصولی بنیاد پر اتحاد کیوں حرام ہے؟ علاوہ ازیں مصری حکام نے اپنے مخالفوں پر تنقید کے لیے اگر عرب سربراہوں کو مخالفوں کی صف میں رکھا جا سکتا ہے، جو

زبان اور اسلوب اختیار کیا ہے وہ نہ اسلامی اخلاق کے مطابق ہے نہ عربی اخلاق کے مطابق، بلکہ انسانی اخلاق بھی اس کو گوارا نہیں کر سکتا۔ یہ کہنا کہ "فلاں" سید خاندان میں سے نہیں بلکہ شیطان کے خاندان میں سے ہے"، "فلاں یہودی کا بچہ ہے"، "فلاں ڈاڑھا ہے"، کیا یہ زبان کسی مہذب حکومت کے پروپیگنڈا کی زبان ہو سکتی ہے؟ آخر مصر کے باشندے اتنے گئے گزرے تو نہیں ہیں کہ وہ اپنے ملک کی ترجمانی اس انداز میں ہوتے دیکھ کر پریشان نہ ہوں۔

مصر کی اندرونی حالت بھی قابلِ مطالعہ ہے۔ جیسا کہ ہم نے ابتدا میں عرض کیا ہے، مصری عوام کی اکثریت سیدھے سادے فلاحین پر مشتمل ہے۔ فلاحین کی اسلام سے وابستگی اس قدر اٹل ہے جس قدر کسی بڑھیا کا ایمان ال ہو سکتا ہے۔ دوسرے ممالک کے مسلمانوں کی طرح ان کی خواہش بھی یہ ہے کہ مصر کے اندر اسلام کا چرچا ہو، اسلامی تعلیمات کو فروغ حاصل ہو، اسلامی قانون کو فوقیت حاصل ہو۔ ان کے سربراہ اسلامی شریعت کے پابند اور اسلاف کے نقشِ قدم پر چلنے والے ہوں۔ مگر حالات ان کی خواہشوں کی نہ صرف تکمیل نہیں کرتے بلکہ انہیں پامال کرتے ہیں۔

مصر کا میثاق جسے دستوری اختیارات حاصل ہیں، صاف اعلان کرتا ہے کہ ملک کے اندر سوشلسٹ نظام نافذ کیا جائے گا۔ صدر ناصر اس سوشلسٹ نظام کو "نظریاتی سوشلزم" کی اصطلاح سے تعبیر کرتے ہیں اور مصر کا پریس "نظریاتی سوشلزم" کی تشریح "مارکسزم" کرتا ہے۔ فاروق کے عہد تک دستور میں کم از کم یہ فقرہ موجود تھا کہ "ریاست کا سرکاری مذہب اسلام ہوگا"۔ مگر مصری میثاق اس "رجعت پسندی" سے بالکل پاک ہے۔ سوشلسٹ نظام صرف زبان سے نہیں بلکہ عملاً مصر میں نافذ کیا جاتا ہے۔ "عرب سوشلسٹ پارٹی" جو مصر کی واحد پارٹی ہے، اس کا نفاذ اپنے ہاتھ میں لیتی ہے۔ مصر کی "کمیونسٹ پارٹی" اپنے وجود کو ختم کر کے "عرب سوشلسٹ پارٹی" میں ادغام کا اعلان کرتی ہے۔ سوشلزم کے نفاذ کے بعد مصری حکومت نے اندھا دھند شخصی جائدادوں اور کمپنیوں پر جس طرح قبضہ کیا ہے، اس نے عوام کے اندر خوف و ہراس اور انتقامی جذبات کو بھڑکا دیا ہے۔ مصر کی اقتصادی حالت تباہی کے گڑھے تک پہنچ چکی ہے۔ خود الاہرام کے بیان کے مطابق قاہرہ گداگروں کا شہر

بن چکا ہے۔ اس سوشلزم سے اگر حقیقتاً کسی کو فائدہ پہنچا ہے تو وہ مزدور اور کسان نہیں ہیں بلکہ عرب سوشلسٹ پارٹی کے عہدیدار ہیں، جن کی دھاندلیوں اور لوٹ کھسوٹ سے کوئی شریف انسان نہیں بچ سکا۔

اخلاقی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو مصر کے بڑے بڑے شہر، قاہرہ اور اسکندریہ فسق و فجور کے اڈوں میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ اخبارات پر کمیونسٹ اور ملاحدہ چھائے ہوئے ہیں اور وہ جی بھر کر اباحیت اور اخلاقی انارکی کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں۔ ہر وہ شخص جو پابندی سے نماز پڑھتا ہے، قہوہ خانوں اور تھیٹروں اور سینماؤں سے پرہیز کرتا ہے، وہ ان کی نگاہ میں رجعت پسند ہے، استعمار کا ایجنٹ ہے، گردن زدنی ہے۔

سب سے بڑی آفت جو مصر پر ٹوٹ رہی ہے، وہ فرعونی تہذیب کا احیاء ہے۔ مصری میثاق یہ کہتا ہے کہ "ہم اپنی ترقی کا خاکہ عہدِ فراعنہ کی تہذیب سے اخذ کریں گے"۔ رعمسیس (فرعون مصر) کا مجسمہ صحراء کی کھدائیوں سے منتقل کر کے قاہرہ کے وسط میں نصب کیا گیا اور اس منصوبے پر ۵ لاکھ پونڈ صرف ہوئے۔ صدر ناصر نے اپنی ایک تقریر میں عوام سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا: "اے تحتموت اور رعمسیس کے فرزندو!" اسی طرح ایک اور موقع پر تقریر کے دوران کہا تھا: "دو ہزار سال کے بعد آج مصر پر پہلی مرتبہ خود اہلِ مصر کو حکومت کرنے کا موقع ملا ہے"۔ گویا حضرت عمرؓ کے زمانہ سے لیکر اب تک کے تمام غیر مصری مسلمان حکمرانوں کا دور اُن کی نگاہ میں استعماری دور تھا۔ اور فراعنہ کے دور کے بعد اب مصر کو پہلی مرتبہ استعمار سے آزادی نصیب ہوئی ہے۔ اور یہ جسارت یہاں تک بڑھتی ہے کہ ابوسمبل کے مندروں اور مجسموں کی بنیادوں میں مصری میثاق، انجیل اور قرآن مجید کے دو دو نسخے دفن کیے جاتے ہیں۔ کیا کسی اَن پڑھ سے اَن پڑھ مسلمان سے ہم یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ فراعنہ کے بتوں کے نیچے قرآن مجید رکھے جانے پر خاموش رہے گا اور اس کی غیرتِ ایمانی اسے گوارا کرے گی؟

یہ سب کچھ ان حالات میں ہو رہا ہے جبکہ شہری آزادیاں مفقود ہیں۔ پریس حکومت کے

قبضے میں ہے۔ آزاد اخبارات ختم ہو چکے ہیں۔ مصر کے نامور اخبار "المصری" کا ایڈیٹر ابوالفتح جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ ایک دوسرے مشہور اخبار کا ایڈیٹر مصطفیٰ امین جو مصری حکام کے ثنا خوانوں میں پیش پیش تھا، جیل میں نظر بند ہے اور اس پر امریکہ کی جاسوسی کا الزام ہے۔ کمیونسٹ اخبارات و رسائل ملک میں بارش کی طرح برس رہے ہیں۔ کمیونسٹ لٹریچر بازاروں میں پانی کی طرح بہ رہا ہے۔ الاہرام کے ایڈیٹر محمد حسین ہیکل اور صوت القاہرہ کے اناؤنسر سعید احمد برابر سوشلزم کی تفسیریں عوام کو سنا رہے ہیں۔ ایک گروہ ازہر کے علماء کا بھی ہاتھ لگ گیا ہے جو اسلام کو سوشلزم اور اسلامی تاریخ کی نمایاں شخصیتوں کو سوشلسٹ ثابت کر رہا ہے۔ سوشلزم کے فضائل و مناقب کی گونج سے مصر کی فضا مرتعش ہو رہی ہے اور آسمان پھٹ رہا ہے۔ مصری اخبارات کے بیان کے مطابق ہر روز صدر ناصر کو قتل کرنے کی سازش پکڑی جاتی ہے جس کے پیچھے کسی نہ کسی "رجعت پسند" گروہ کا ہاتھ تار ہلاتا دریافت ہو جاتا ہے۔ اور عملاً یہ حال ہے کہ جب سے مصر میں مختلف کارخانوں اور اداروں کو قومی تحویل میں لیا گیا ہے بلکہ صحیح الفاظ میں سوشلسٹ پارٹی کی تحویل میں دیا گیا ہے، ان اداروں سے ہونے والی آمدنی صفر کے برابر ہو چکی ہے اور مصارف پہلے سے دوگنے ہو گئے ہیں۔

یہ تو تصویر کا ایک رُخ ہے۔ اب اس تصویر کا دوسرا رُخ ملاحظہ ہو۔ "عرب سوشلسٹ پارٹی" اور مصری حکام عوام کے حلق میں جو تلخ گھونٹ اتارنا چاہتے ہیں وہ اُن سے اُتر نہیں رہے ہیں۔ میثاق کے محامد و محاسن مصری عوام سے منوانے کے لیے لاکھوں پونڈ صرف ہو رہے ہیں، مگر عوام میثاق پر ایمان لانے سے ابا کر رہے ہیں۔ وہ اسے کسی ایچ پیچ کے بغیر کمیونسٹ دستور کا چربہ سمجھتے ہیں۔ فرعونی تہذیب کے احیاء کے لیے پوری حکومت کی مشینری وقف تگ و تاز ہے۔ مصری پونڈ پر فرعون کی تصویر چھپ گئی ہے، ڈاک کی ٹکٹوں پر فرعون کی تصویر ہے، مصری کرنسی پر فرعونی عہد کا نشان "عقاب" ثبت ہو گیا ہے، سڑکوں کے نام شارع رعمیس، پارکوں کے نام میدانِ رعمیس، سینماؤں کا نام رعمیس سینما، مصر کی ساختہ موٹر (اگرچہ یہ بات مشکوک ہے) کا نام رعمیس رکھ دیا گیا ہے۔ مگر مصر کے مسلم عوام اس تہذیب پر ہزار بار لعنت بھیج چکے ہیں اور وہ فرعون کو اُسی

نگاہ سے دیکھتے ہیں جس نگاہ سے حضرت موسیٰ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والوں کو دیکھنا چاہیے اسی طرح یمن میں حکومت کی مسلسل غلطیوں پر پردہ ڈالنے کی انتہائی کوشش کی گئی ہے۔ یمن میں مرنے والے فوجیوں کو شہید حریت کا خطاب دیا گیا ہے۔ اُن کے رشتہ داروں کو مختلف بہانوں سے راضی کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مگر اس کے باوجود مصری فوج کا ایک حصہ اور مصری عوام اس برادر کشی سے قطعی بیزار ہیں۔

اس کے مقابلے میں اسلام پسند عنصر، خواہ وہ اخوان المسلمون کا حامی ہو یا مخالف، جو بات کہتا ہے اس کی صدائے بازگشت عوام میں اتفاق تا اتفاق سُنی جاتی ہے۔ اخوان المسلمون کے رہنما اور کارکن ۱۹۵۴ء کے اواخر سے جیلوں میں ہیں۔ سیاسی لحاظ سے اُن کی کسی سرگرمی کا تصور ہی محال ہے۔ البتہ اُن کے اہلِ علم خواہ وہ جیل میں تھے یا باہر، علمی اور فکری لحاظ سے ملک کے اندر اسلام کو بچانے کی جو خدمت کر سکتے تھے انہوں نے کی ہے۔ اسلام کے مختلف موضوعات پر انہوں نے لٹریچر تیار کیا۔ مصر میں تفسیر، حدیث، فقہ، اسلامی تاریخ اور اسلامی نظامِ فکر پر اس قدر وافر لٹریچر پچھلے دس سالوں میں تیار ہوا ہے اور اس قدر مختلف النوع مسائل پر مشتمل ہے کہ انسان لکھنے والوں کی جرأت و ہمت اور چھاپنے والوں کے ایثار کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آج ہمیں اسلام کے فوجداری نظام پر عبدالقادر عودہ شہیدؒ کی مشہور کتاب کے دو حصوں کے علاوہ نامور مصری محقق فتحی بہنسی کی اس موضوع پر چھ ضخیم کتابیں ملتی ہیں۔ اسلام کے بین الاقوامی قانون پر طنطا کے کورٹ آف اپیل کے جج کی بے نظیر تالیف ملتی ہے۔ اسلامی نظام کے فلسفیانہ مباحث پر محمد قطب، عبداللہ التمان، محمد حسین کی تصانیف ملتی ہیں۔ "نامورانِ اسلام" کے عنوان سے اسلامی تاریخ کے فقہاء، مفسرین، محدثین، قائدین، اہلِ لغت و نحو اور ارباب سیر و تاریخ کی زندگیوں پر مشتمل طویل سلسلہ ہمارے سامنے موجود ہے جو مصر کے مطبعوں نے چھاپا ہے۔ الغرض اس طرح ہزارہا کتابیں اس دور میں اہلِ علم نے تیار کی ہیں اور فکری اور علمی لحاظ سے اسلام کی برتری ثابت کرنے کی جدوجہد کی ہے۔ یہی "رجعت پسندانہ" لٹریچر مصر کے

عوام میں قبولیت کا مقام حاصل کر سکا ہے۔ مصر کے مکتبے اسی لٹریچر سے لبریز، اور خریداروں کی اکثریت کی بغل میں یہی لٹریچر دیکھا گیا ہے۔

مصر کی کمیونسٹ پارٹی (جو اب عرب سوشلسٹ پارٹی کے نام سے موسوم ہے) کے لیے یہ صورتِ حال سوہانِ رُوح بنی ہوئی تھی۔ مصر کو سوشلسٹ (یا صحیح لفظوں میں کمیونسٹ) معاشرے میں تبدیل کرنے کے لیے ان "رجعت پسندانہ" افکار اور "رجعت پسند" اہلِ قلم کا کلی استیصال ضروری تھا۔ ہمارے علم کے مطابق کمیونسٹ لیڈروں نے ایک طویل رپورٹ تیار کر کے ماسکو بھیجی جس میں یہ وضاحت کی گئی کہ مصر میں جب تک رجعت پسند گروہ کا ایک فرد بھی موجود ہے اُس وقت تک مصر ہمارے لیے لقمۂ تر نہیں بن سکتا۔

سیاسی لحاظ سے بھی مصر کی جو کیفیت ہے اُس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ مصری حکام کے تصرفِ ناروا سے شام کے لوگ صرف ۳ سال کے اندر چلا اُٹھے اور انہوں نے شام کو مصر کے پنجے سے آزاد کروا کر دم لیا لیکن جہاں ۱۲ سال سے یہ ناروا کارروائیاں جاری ہوں وہاں آخر اضطراب و بیزاری کس درجہ تک پہنچ چکی ہوگی۔ مصری عوام کی مصری حکام سے بیزاری کا کھلا مظاہرہ اس وقت ہوا جب ۱۹۶۴ء میں مصطفیٰ نحاس پاشا کی وفات ہوئی اور لاکھوں کی تعداد میں لوگ ان کے جنازہ میں شریک ہوئے اور جنازہ کے اندر عوام اور پولیس کی جھڑپیں ہوئیں۔ اس بیزاری کا علاج یہ تجویز کیا گیا کہ ۱۱ اکتوبر ۱۹۶۵ء کو ایک قانون نافذ کیا گیا جس کی رُو سے صدرِ مملکت کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ کسی بھی شخص کو سیاسی وجوہ کی بنا پر مقدمہ چلائے بغیر گرفتار کر سکتا ہے اور اس کے خلاف کسی جگہ اپیل نہیں کی جا سکتی۔

اُدھر یمن کا مسئلہ بھی ایسے مرحلے میں داخل ہو چکا ہے کہ مصر کے عوام جوشِ جنوں میں سر بھی پھوڑ لیں تو کم ہے۔ تین سال تک مصری فوجوں نے یمن کی اینٹ سے اینٹ بجائی۔ ایک ارب پونڈ خرچ کیے۔ دس ہزار (اور دوسری روایت کے مطابق ۲۵ ہزار) مصری سپوتوں کو اس جنگ کی نذر کیا۔ مصر کی اقتصادیات کا ستیاناس کیا۔ اسرائیل کے مقابلے کے لیے جو رہی سہی قوت موجود

(باقی صفحہ ۶۹ پر)

بقیہ :۔۔۔ مصر اور اخوان

تھی وہ بھی ضائع کر دی۔ اور اب صدر ناصر اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ مصر، سعودی عرب اور یمن کے مختلف عناصر جن میں سلال کے حامی بھی ہوں اور بدر کے ساتھی بھی، بیٹھ کر اس قضیے کا فیصلہ کریں، خواہ آج، خواہ کل، خواہ براہ راست اور خواہ دوسروں کی وساطت سے۔ آخر اس عظیم غلطی کا نتیجہ کیا نکلا۔ یہ نفسیاتی الجھن بھی مصری فوجوں کے اندر شدید بے چینی پیدا کرنے کا موجب ہوئی ہے۔ اس بے چینی کا حل بھی یہ تجویز کیا گیا ہے کہ ملک کے اندر خوف و ہراس کی فضا پیدا کی جائے اور اگر کہیں زبانِ تنقید یا رائے گویائی دکھائے تو اُسے قبل از وقت بند کر دیا جائے۔

سوڈان میں کمیونسٹ عناصر کا جو حشر ہو چکا ہے وہ خاصا عبرت انگیز ہے۔ مصری کمیونسٹوں نے انتہائی کوشش کی کہ سوڈانی کمیونسٹوں کو سہارا دیا جائے۔ جنوبی سوڈان کے باغیوں کو شہ دی تاکہ سوڈان کے داخلی حالات میں افراتفری پیدا کر دی جائے اور مسلمانوں کی توجہ کمیونسٹوں سے ہٹا دی جائے۔ مگر سوڈان کے اخوان المسلمون نے دوسرے تمام اسلام پسند عناصر کے اتحاد سے سوڈان سے کمیونسٹوں کی بیخ کنی کر دی۔ مصری کمیونسٹ اور روس کی کمیونسٹ پارٹی نے اس کا انتقام مصر کے اخوان المسلمون سے لینے کا فیصلہ کر لیا۔ ان کے نزدیک اخوان خواہ مصری ہوں

یا سوڈانی، اردنی ہوں یا شامی، عراقی ہوں یا سعودی، اخوان ہی ہیں۔ ایک ہی ان کی دعوت ہے اور ایک ہی ان کا نظام ہے

ان اسباب و وجوہ کی بنا پر اگست ۱۹۶۵ء میں جب صدر ناصر ماسکو کے دورے پر گئے تو وہاں انہوں نے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ "اخوان نے میرے قتل کی سازش تیار کی تھی جو طشت از بام ہو چکی ہے۔ ماضی میں میں نے انہیں معاف کر دیا تھا لیکن اب معاف نہیں کروں گا"۔ اُدھر موصوف نے ماسکو میں اس "سازش" کا انکشاف کیا اور اِدھر مصر میں ہنگامہ دار و گیر برپا ہو گیا۔ اخوان پر ہاتھ ڈال کر صدر ناصر نے کئی حلقوں کے لیے سامانِ تسلی فراہم کیا اور بہت سے مختلف مقاصد حاصل کیے۔ روس کو خوش کیا۔ مصر کی کمیونسٹ پارٹی کو (جو روسی نظریات سے منسلک ہے) خوش کیا۔ روس کی خوشی کی بدولت امداد میں اضافہ ہوا اور مصر کی کمیونسٹ پارٹی کا بھی وہ شکوہ دُور ہوا جو اسے ملک کے اندر رجعت پسندانہ افکار کی کھلم کھلا اشاعت سے تھا۔ امریکہ کو بھی خوش کر دیا۔ کیونکہ امریکہ کی نگاہ میں کمیونسٹوں کی سرکوبی سے اسلام پسندوں کی سرکوبی ہزار درجہ افضل و انفع ہے۔ یہودیوں کو بھی خوشی حاصل ہوئی کہ وہ پارٹی جو اری ٹیریا کے باغی مسلمانوں کی پشت پناہی کرتی ہے اور اُن کے منظورِ نظر حکمران ہیلا سلاسی کے لیے مشکلات کا موجب بنی ہوئی ہے، سردار لشکر ہی ہے۔ مصر میں خوف و ہراس پیدا کرنے کے لیے ایک بنیاد ہاتھ آگئی تاکہ اگر کسی دوسرے شخص کے دماغ میں "خناس" گھسا ہوا ہے تو وہ اخوان کے انجام سے عبرت حاصل کرے۔ اور سوشلزم کو یا مسئلہ یمن کو اپنی تنقید کا ہدف نہ بنائے۔

"سازش" کے انکشاف کے بعد مصر کی خفیہ پولیس نے جس بیدردی کے ساتھ اخوان کو گرفتار کیا ہے اور اخوان کے گھروں میں گھس کر ان کی خواتین سے تعرض کیا ہے یہ قلم اُس کے بیان کا یارا نہیں رکھتا۔ بعض مثالیں ایسی بھی سامنے آئی ہیں کہ میاں اور بیوی دونوں کو گرفتار کر لیا مگر اُن کے معصوم بچے گھر میں لاوارث پڑے ہیں۔ والدین کا اصرار ہے کہ اُن کے بچوں کو گرفتار کر لیا جائے تاکہ وہ گھر میں بھوکے مرنے کے بجائے جیل میں دن گزار لیں۔ مگر مصری پولیس اُن کی درخواست رد کر دیتی

ہے۔ کوئی اور شہری بھی ان کو اپنی حفاظت میں رکھنے کے لیے تیار نہیں ہے کیونکہ محض ان کی حفاظت کی خواہش کا اظہار ہی خود اُسے بھی مشکوک ٹھیرا دے گا۔ اس پکڑ دھکڑ سے مصر کے گوشے گوشے میں ایک قیامت ٹوٹ پڑی اور چونکہ فلاحین میں اخوان کا زیادہ اثر تھا اس لیے یہ غریب قوم مصری پولیس کے انتقام کا نشانہ خاص بنی۔ بلکہ دو واقعات ایسے رونما ہوئے جنہوں نے حالات کو انتہائی نازک کر دیا۔ ایک کرداسہ کا واقعہ اور دوسرا دمیاط کا حادثہ۔

کرداسہ سمندر کی جانب ایک بستی ہے۔ اس بستی میں خفیہ پولیس کے کچھ افراد اخوان کے کارکنوں کی تلاش میں گئے اور اسی تلاش و جستجو میں وہ ایک گھر میں گھس گئے۔ وہاں جب انہیں معلوم ہوا کہ کوئی شخص بھی اخوان میں سے نہیں ہے تو اس گھر کی ایک خاتون کو انہوں نے گرفتار کر لیا اور اُسے گھسیٹ کرلے آئے۔ بستی کے کسانوں کو اس کا پتہ چلا تو وہ کاروبار چھوڑ کر بستی کی جانب بھاگے اور پولیس کے دستہ پر جوشِ غیرت میں ٹوٹ پڑے۔ فریقین کی طرف سے لاٹھیوں اور پتھروں کا تبادلہ ہوا۔ پولیس کا ایک شخص اس حادثے میں مارا گیا اور پولیس کے باقی افراد نے راہ فرار اختیار کر لی۔ کسانوں کا جتھہ آمریت مُردہ باد کے نعرے لگاتا ہوا بستی میں لوٹ آیا۔ بعد میں جب معلوم ہوا کہ پولیس نے فوج کی مدد طلب کر لی ہے اور توپوں سے بستی کا محاصرہ ہو رہا ہے تو کسانوں نے بھی اپنے اردگرد دفاعی تدابیر کھڑی کر لیں۔ مگر فوج کی گولہ باری سے بستی کی بنیادیں ہل گئیں۔ متعدد افراد مارے گئے اور جو بچے انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ اُن کے گھروں کو تاخت و تاراج کیا گیا۔ سوئٹزرلینڈ کے اخبار "لیبرٹیٹ" نے اپنی ۱۰ دسمبر ۱۹۶۵ء کی اشاعت میں اس خبر کو بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ "کرداسہ کی بستی نے عبدالناصر کی فوجوں کا ہتھیاروں سے مقابلہ کیا ہے جو اخوان المسلمون کے ایک آدمی کو گرفتار کرنے کے لیے بستی پر حملہ آور ہو رہی تھیں"۔

دوسرا حادثہ دمیاط میں پیش آیا جو بحیرہ روم کے ساحل پر قاہرہ سے مشرق کی جانب ۱۳۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اخوان کی تلاش میں پولیس کے دستے اس قصبے میں پہنچے۔ یہاں پولیس نے ایک ماہی گیر کی کشتی کی تلاشی لینا چاہی، لیکن اُس نے اس خوف سے لیت و لعل کی کہ پولیس

کے لوگ اُس کی شکار کردہ مچھلی پر ہاتھ صاف کریں گے۔ اس مچھیرے کی یہ جسارت پولیس کی شانِ استکبار کے منافی تھی۔ پولیس نے اُس کو بلا تردّد گولی کا نشانہ بنا دیا۔ اُس کے ماہی گیر ساتھیوں نے جب تشدد کی یہ انتہا دیکھی تو انہوں نے واویلا مچایا اور نواحی آبادیوں کے لوگ مچھیروں کی مدد کے لیے دوڑ پڑے۔ آناً فاناً سینکڑوں افراد جمع ہو گئے۔ غریب مچھیرے کی بے بسی سے متاثر ہو کر انہوں نے دمیاط کے اندر پولیس اور حکومت کے خلاف مظاہرے شروع کر دیئے اور حکّامِ مصر کے نام لے لے کر مُردہ باد کے نعرے لگاتے رہے۔ مصری لیڈروں کی دکانوں پر لٹکی ہوئی تصاویر کو جوشِ غضب میں زمین پر پھینکتے اور پاؤں تلے روندتے چلے گئے۔ علاقہ کے افسرِ اعلیٰ نے حکامِ بالا سے ربط قائم کیا اور "بغاوت" کو کچلنے کے لیے فوج کی مدد طلب کی۔ چنانچہ مصری فوج نے چڑھائی کی اور دمیاط کا محاصرہ کر لیا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ قاہرہ کے اخبارات نے اس واقعہ کو ۴ ستمبر ۱۹۶۵ء کی اشاعتوں میں ایک ہمگڑا اور پولیس کی مڈبھیڑ کی حیثیت سے بیان کیا۔ مگر "دی ایسوسی ایٹڈ پریس نیوز ایجنسی آف امریکہ" کی اطلاع کے مطابق اس میں قصبے کے کم از کم ۱۶ افراد مارے گئے اور مارشل عبدالحکیم عامر نے ذاتی طور پر اس میں دلچسپی لی۔ یونائیٹڈ پریس آف امریکہ نے بتایا کہ مرنے والوں کو تجہیز و تکفین کی رسوم ادا کیے بغیر ہی دفن کیا گیا۔ اور فوج نے ہزاروں افراد کو حراست میں لے لیا۔ رائٹر اور ایجنسی فرانس نے اس واقعہ کو بڑی اہمیت سے نشر کیا

اب تک کی اطلاعات کے مطابق دسمبر ۱۹۶۵ء کے آخر تک اخوان کے چالیس ہزار سے زائد افراد گرفتار کیے گئے ہیں۔ لندن کے اخبار ڈیلی ٹیلیگراف نے اپنی ۱۱ اکتوبر ۶۵ء کی اشاعت میں لکھا تھا کہ "اب تک بیس ہزار افراد گرفتار کیے جا چکے ہیں اور ابھی تک پورے ملک میں پکڑ دھکڑ کا سلسلہ جاری ہے" گرفتار شدگان میں آٹھ سو کے قریب عورتیں ہیں۔ مزید برآں یہ کہ گرفتار شدگان کے خاندانوں کو ملک کے دُور دراز مقامات میں جلا وطن کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ لندن کے ایک یہودی اخبار جیوش آبزرور نے دلی مسرت کے ساتھ اپنی ۲۸ نومبر ۱۹۶۵ء

کی اشاعت میں یہ "خوشخبری" سنائی تھی کہ "اس ہفتے کی خبروں سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ گرفتار شدہ اخوانیوں کے چار ہزار پانچ سو خاندانوں کو دُور افتادہ مقامات میں جلاوطن کر دیا گیا ہے"۔ مصر کے سرکاری حلقوں کے بیانات کے مطابق گرفتار شدگان دو گروہوں پر مشتمل ہیں۔ کچھ افراد وہ ہیں جن پر مصری حکومت کی طرف سے الزامات عائد کیے گئے ہیں۔ ان کی تعداد چار سو سے کم ہے۔ اور اکثریت ان لوگوں کی ہے جن پر کوئی الزام نہیں ہے۔

گرفتار ہونے والوں میں نمایاں شخصیتیں یہ ہیں:

۱۔ حسن اسماعیل الھضیبی۔ موصوف کی عمر ۷۴ برس کے لگ بھگ ہے۔ اخوان سے باقاعدہ تعلق سے پہلے قاہرہ کے سپریم کورٹ میں لیگل ایڈوائزر تھے۔ ۱۹۴۸ء میں حسن البنا مرحوم کی شہادت کے بعد اخوان کے مرشد عام (صدر) منتخب ہوئے۔ موصوف چونکہ قانون دان ہیں اس لیے انہوں نے اپنے دورِ صدارت میں جماعت کو قانون اور ضابطے کا پابند بنانے میں بڑی کوشش کی ہے۔ بلکہ موصوف بعض اخوانی حلقوں میں اپنے قانونی تشدد اور خوردہ گیری کی وجہ سے تنقید کا ہدف بھی بنے رہے ہیں۔ ۱۹۵۴ء میں جب اخوان پر دوبارہ آزمائش آئی تو انہیں بھی گرفتار کر لیا گیا اور انہیں سزائے موت سنائی گئی جسے بعد میں عمر قید میں تبدیل کر دیا گیا۔ جیل میں ان کو سخت تعذیب دی گئی جس کی وجہ سے ان کی صحت اس حد تک خراب ہو گئی کہ حکومت کو مجبوراً انہیں رہا کرنا پڑا۔ اُس کے بعد سے یہ اپنے گھر پر نظر بندی کے ایام گزار رہے تھے۔ اب انہیں دوبارہ سازش کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا اور ۳ سال قید بامشقت کی سزا دی گئی ہے۔

۲۔ مامون الھضیبی۔ یہ حسن الھضیبی کے صاحبزادے ہیں اور قاہرہ کے سپریم کورٹ میں یہ بھی لیگل ایڈوائزر رہ چکے ہیں۔ انہیں ۳ سال کی سزا دی گئی ہے

۳۔ اسماعیل الھضیبی۔ یہ حسن الھضیبی کے دوسرے صاحبزادے ہیں۔ وکالت ان کا پیشہ ہے۔ انہیں ایک سال قید بامشقت کی سزا سنائی گئی ہے۔

۴۔ سید قطب۔ ان کی عمر ۶۰ سال کے قریب ہے۔ اخوان کے ساتھ وابستگی سے پہلے

یہ مصر کی وزارتِ تعلیم میں انسپکٹر آف سکولز کے منصب پر فائز تھے۔ ۱۹۵۲ء میں اخوان کے باضابطہ ممبر بنے۔ اور اخوان کے شعبہ نشر و اشاعت کے سکرٹری مقرر ہوئے۔ ۱۹۵۴ء میں یہ بھی گرفتار ہوئے اور محکمۃ الشعب (قومی عدالت) کی طرف سے انہیں موت کی سزا دی گئی جو عمر قید میں تبدیل کر دی گئی۔ اگست ۱۹۶۴ء میں عبدالسلام عارف مرحوم کی سفارش کی بنا پر حکومتِ مصر نے انہیں رہا کر دیا مگر ایک ہی سال بعد اگست ۱۹۶۵ء میں انہیں دوبارہ گرفتار کر لیا گیا۔ اور اب ان کو پھانسی چڑھا دیا گیا ہے۔

۵۔ محمد قطب۔ یہ سید قطب کے بڑے بھائی ہیں۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ اخوان سے ان کا باقاعدہ تعلق نہیں ہے۔ ان کی مشہور کتابیں ہیں: الانسان بین المادیۃ والاسلام (انسان مادیت اور اسلام کی نگاہ میں)، شبہات حول الاسلام (اسلام پر مغرب کے اعتراضات اور ان کا جواب)، جاہلیۃ القرن العشرین (بیسویں صدی کی جاہلیت)۔ ان کتابوں کی بے پناہ مقبولیت ان کی گرفتاری کا سبب ہوئی۔ انہوں نے اپنا ایک مکتبہ بھی قائم کر رکھا تھا جو ان کی کتابیں اور سید قطب اور دوسرے اسلام پسند مصنفین کی کتابیں شائع کرتا رہا ہے۔ ان کی گرفتاری کے وقت ان کا مکتبہ بھی ضبط کر لیا گیا ہے۔ محمد قطب جیل میں تعذیب کی تاب نہ لا کر دم توڑ چکے ہیں۔ اخبار اسکاٹسمین نے ۵ اکتوبر ۱۹۶۵ء کی اشاعت میں اس خبر کی توثیق کی ہے۔ یہی حال موصوف کی بہن امینہ قطب کے ساتھ ہوا ہے۔ وہ بھی تعذیب کی شدت سے شہادت پا چکی ہیں۔

۶۔ استاذ صالح ابورقیق۔ یہ عرب لیگ کے مرکز میں لیگل ایڈوائزر رہ چکے ہیں۔

۷۔ محمد فرید عبدالخالق۔ مصر کے مشہور ماہرین تعلیم میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

۸۔ استاذ منیر دلہ۔ فاروق کے عہد میں یہ کونسل آف سٹیٹ کے لیگل ایڈوائزر تھے۔

گرفتار ہونے والی عورتوں میں قابلِ ذکر خواتین یہ ہیں:

۱۔ سیدہ زینب الغزالی۔ ان کی عمر ۶۰ سال سے متجاوز ہے۔ مسلم خواتین کی تنظیم کی سربراہ تھیں۔ انہوں نے ٹریبونل کے سامنے بیان دیتے ہوئے کہا ہے کہ "میرے اوپر جھوٹے الزامات

لگانے کی کیا ضرورت ہے۔ اگر میری جان کی ضرورت ہے تو وہ حاضر ہے" انہیں دس سال قید بامشقت کی سزا دی گئی ہے۔

۲۔ حسن الہضیبی، صدر اخوان کی اہلیہ۔

۳۔ حسن الہضیبی کی صاحبزادی سیدہ خالدہ

۴۔ اسماعیل الہضیبی کی اہلیہ (حسن الہضیبی کی بہو)

۵۔ سیدہ حمیدہ قطب۔ سید قطب کی بہن۔ انہیں ۳ سال قید بامشقت کی سزا سنائی گئی ہے

۶۔ استاذ عبدالحلیم دشاحی کی اہلیہ۔

گرفتار شدگان کے ساتھ جیلوں میں جو سلوک روا رکھا گیا ہے، اُن کے متعلقین کے ساتھ جو کچھ بیتی ہے اُس کا ذکر بھی ضروری ہے۔ اُوپر ہم بیان کر آئے ہیں کہ گرفتار شدگان کے خاندانوں کی کثیر تعداد کو دُور افتادہ مقامات پر بھیج دیا گیا تاکہ وہ کسی قسم کی چارہ جوئی نہ کر سکیں اور عوام کی ہمدردیوں سے بھی محروم رہیں۔ گرفتار شدہ افراد کے خاندان کے لوگوں کو اپنے رشتہ دار قیدیوں سے ملاقات یا خط و کتابت کی اجازت نہیں دی گئی۔ اکثر لوگوں کو ایسی حالت میں گرفتار (دوسرے لفظوں میں) اغوا کیا گیا ہے کہ ان کے متعلقین کو ان کے بارے میں کوئی خبر نہیں ہے۔ ہزاروں خاندان ایسے ہیں جن کا کوئی سربراہ یا پرسانِ حال نہیں ہے۔ مزید برآں یہ کہ حکومت کے ایک قانون کی رُو سے گرفتار شدگان میں جو سرکاری ملازمین تھے ان کو تنخواہوں اور دوسرے قانونی استحقاقات سے محروم کر دیا گیا ہے۔ تمام پرائیویٹ کمپنیوں اور فرموں کے نام بھی فرمان جاری کر دیا گیا ہے کہ اگر گرفتار شدہ افراد میں سے کوئی فرد اُن کا ملازم ہے تو اُسے ملازمت سے الگ کر دیا جائے اور اُس کی تنخواہ بند کر دی جائے اور اُس کے اقارب میں سے کسی کی مالی امداد نہ کی جائے۔ عام لوگوں کو بھی حکماً گرفتار شدگان کے متعلقین میں سے کسی کی نقد یا کسی اور شکل میں امداد کرنے سے منع کر دیا گیا ہے اور اس جرم کا ارتکاب کرنے والے کو مستوجبِ سزا قرار دیا گیا ہے۔ گرفتار شدگان کی منقولہ اور غیر منقولہ جائداد کو ضبط کر لیا گیا ہے۔ پیرس کے اخبار لوموند کے ۲۳ دسمبر ۱۹۶۵ء کے شمارہ میں یہ خبر شائع ہوئی کہ "حکومتِ مصر

کے ایک جاری کردہ قانون کی رُو سے حکومت کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ سیاسی نظر بندوں کی املاک ضبط کر سکتی ہے"۔ وہ خاندان جو کرایہ پر یا سرکاری مکانات میں رہتے تھے پولیس کے اشارے پر انہیں اُن مکانات سے نکال دیا گیا اور انہیں بے یار و مددگار کھلے آسمان کے نیچے چھوڑ دیا گیا۔

چونکہ ان گرفتاریوں کے پیچھے کمیونسٹ عناصر اور کمیونسٹ مشیروں کا منصوبہ کام کر رہا ہے اس لیے یہ گرفتاریاں صرف اخوان تک محدود نہیں ہیں۔ بلکہ دراصل ان تمام تشدد انہ کارروائیوں کا ہدف دو چیزیں ہیں۔ ایک "رجعت پسند" اہلِ قلم اور اہلِ دعوت کا وجود۔ دوسرے "رجعت پسندانہ افکار و نظریات"۔ اور ظاہر ہے کہ جب تک ان دونوں چیزوں سے ملک کی تطہیر نہیں ہو گی کمیونزم کو ملک میں اثیر باد نہیں مل سکتی۔

"رجعت پسند" اہلِ قلم اور اہلِ دعوت کا صفایا کرنے کے لیے پہلا حملہ اخوان پر کیا گیا۔ اس کے بعد مصر کی دوسری مذہبی جماعتوں کی طرف رُخ کیا گیا اور اُن میں سے ہر ایک کو کسی نہ کسی حیثیت سے شریکِ سازش ثابت کیا گیا۔ انجمن شبانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، جمعیت شرعیہ، تبلیغی جماعت اور انصار السنۃ المحمدیہ کا اخوان سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔ بلکہ ان میں سے اکثر جماعتیں اخوان سے شدید اختلاف رکھتی ہیں اور سیاست کو "شجرۂ ممنوعہ" سمجھتی ہیں۔ مگر ان سب جماعتوں پر حملہ کیا گیا، ان کے حامیوں کو گرفتار کیا گیا۔ اور ان پر یہ الزام لگایا گیا کہ اخوان کے لوگ ان جمعیتوں کے نوجوانوں کے مذہبی جذبات سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور انہیں اپنے حلقۂ اثر میں لے آتے ہیں۔ اَسیوط کی آبادی کی اکثریت عیسائیوں پر مشتمل ہے۔ وہاں کی مسلم اقلیت کے لیے جمعیت شرعیہ نے ایک مسجد تعمیر کی اور مسجد کے ساتھ نوجوانوں کے لیے کھیلوں کا ایک کلب قائم کیا۔ جو نوجوان اس کلب میں تفریح کے لیے آتے رہے ہیں انہیں بھی گرفتار کیا گیا کیونکہ وہ ایسے کلب میں جاتے ہیں جس کا انتظام ایک مذہبی انجمن کے ہاتھ میں ہے۔

"رجعت پسندانہ" افکار سے نجات حاصل کرنے کے لیے مکتبوں پر چھاپے مارے گئے اور وہ تمام کتابیں ضبط کر لی گئیں جن میں یہ "جراثیم" پائے گئے۔ ہمارے سامنے ان کتابوں کی طویل

فہرست موجود ہے جو مصر میں پچھلے چند ماہ میں خلافِ قانون قرار دی گئی ہیں۔ ان میں اخوان مصنفین کے علاوہ دوسرے اُن مصنفوں تک کی کتابیں شامل ہیں جو سرکار دربار میں منظورِ نظر رہے ہیں۔ ان مطابع کو سربمہر کر دیا گیا ہے جو بالعموم اسلامی لٹریچر چھاپتے ہیں۔ المدنی پریس قاہرہ کا مشہور پریس ہے۔ راقم السطور کی ملاقات اس پریس کے مالک محمد المدنی سے قطر میں ہوئی ہے۔ انہوں نے خود مجھے اپنے پریس کی تباہی کی داستان سنائی اور بتایا کہ یہ تباہی محض اس جرم میں ہوئی کہ یہ پریس کمیونسٹ لٹریچر چھاپنے کے بجائے اسلامی لٹریچر چھاپتا رہا ہے۔ اس لیے ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ یہ کشمکش دراصل اسلام اور کمیونزم، اور خدا پرستی اور الحاد کی کشمکش ہے۔ اسے محض چند افراد کے "جنون" سے تعبیر کرنا اور اُن کی "سزائے موت" پر اس کا خاتمہ تصور کر لینا حالات کا صحیح مطالعہ نہیں ہے

اب اُن الزامات کو لیجیے جو سرکاری پریس نوٹ میں اخوان پر لگائے گئے ہیں۔

سب سے پہلا الزام یہ ہے کہ اخوان نے ایک خفیہ تنظیم قائم کر رکھی تھی جس کے سربراہ سید قطب تھے۔ یہ تنظیم ملزمین کے لیے مالی امداد اور دیگر وسائل فراہم کرتی تھی۔ صدر ناصر کے قتل کا منصوبہ تیار کر رہی تھی۔ کچھ نوجوانوں کو سرکاری عمارات اور اعلیٰ حکام کی اسپیشل ٹرینوں کو اڑانے کی تربیت دے رہی تھی۔ اور اس تربیت کے لیے بعض عورتوں کی خدمات بھی حاصل کی گئی تھیں۔

جہاں تک اس الزام کا تعلق ہے یہ کوئی نیا الزام نہیں ہے اور نہ تنہا مصری حکومت اور مصر کے اخوان المسلمون ہی کے لیے مخصوص ہے ہر صاحبِ اقتدار نے اپنے مخالفین پر ہر دور میں ایسے ہی الزامات چسپاں کیے ہیں۔ خصوصاً کمیونسٹ ممالک اور ان کے زیرِ اثر ممالک تو اس طرح کے الزامات کی تصنیف میں بڑے چابکدست ثابت ہوئے ہیں۔ کیا یہ الزام صرف اس بنا پر تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ سرکاری پریس نوٹ میں اسے بیان کر دیا گیا ہے؟ معمولی سوجھ بوجھ کا آدمی بھی یہ سوال کر سکتا ہے کہ ۱۹۵۴ء سے اخوان کے ہزاروں افراد جیلوں میں پڑے ہیں۔ ان کے اہل و عیال انتہائی عسرت اور مفلوک الحالی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ خود سید قطب ۱۰ سال کے بعد رہا کیے گئے اور ایک ہی سال کے وقفے سے انہیں دوبارہ گرفتار کر لیا گیا۔ رہائی کے ایام میں بھی اُن کی شدید نگرانی کی جاتی رہی ہے۔ کیا عقل یہ باور کرتی ہے کہ انہوں نے

اس قلیل وقفے میں اتنی بڑی سازش تیار کر لی اور اس کے لیے اس قدر کثیر مقدار میں اسلحہ بھی فراہم کر لیا کہ حکومت کا تختہ اُلٹ دیں جس حکومت کی پولیس روم سے مشتبہ اشخاص کو صندوق میں بند کر کے قاہرہ لانے کا انتظام کر سکتی ہے کیا اُس پولیس کی موجودگی میں کوئی شخص ایسی سازش کا خیال بھی دل میں لا سکتا ہے۔ یہ بھی پیش نظر رہے کہ فردِ جرم میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ "ملزمین ۱۹۵۹ء سے ۱۹۶۵ء تک برابر حکومت کا تختہ اُلٹنے کی اسکیم تیار کرتے رہے" گویا سید قطب جیل میں بیٹھ کر اس اسکیم کی نگرانی کرتے رہے اور اپنی ہمشیرگان اور ایک ۴۰ سالہ خاتون زینب الغزالی سے اس اسکیم کے نفاذ کی ہدایات تقسیم کرنے کی خدمات لیتے تھے۔ پھر آخر اس الزام کا ثبوت کیا ہے؟ ریڈیو اور پریس کا پروپیگنڈا تو کوئی ثبوت نہیں ہے، اور جس طرح کی عدالت میں جس ڈھنگ سے اس کو پیش کیا گیا ہے اُس کا بھانڈا دنیا کے ایک غیر جانبدار ادارے ایمنسٹی انٹرنیشنل نے پھوڑ دیا ہے۔

البتہ اخوان نے پچھلے چند سالوں میں ایک کام ضرور کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ۱۹۵۴ء سے جو ہزاروں افراد جیلوں میں پڑے ہیں اُن کے لاوارث اور بے کس اہل و عیال کی مالی اعانت ضرور کی ہے۔ مصری حکومت اپنی خفیہ پولیس، اپنی پروپیگنڈا مشینری، اور عرب سوشلسٹ پارٹی اور اس نوعیت کے دوسرے اداروں پر تو بلا شبہ دولت کی بارش کرتی رہی ہے لیکن قیدیوں کے متعلقین کی گزر بسر کے لیے کبھی ایک پائی کی روا داری بھی نہیں ہوئی۔ حالانکہ اُس کا یہ فرض تھا کہ سیاسی انتقام کی بنا پر جن لوگوں کو طویل مدت کے لیے اُس نے جیلوں میں ڈال دیا تھا اُن کے معصوم بچوں، بیویوں اور بوڑھی ماؤں کو کم از کم بقدر سد رمق ہی مالی مدد دیتی۔ کیا مارکسزم میں ایسے لوگوں کے متعلقین کو فاقہ کشی سے بچانے کا کوئی اصول نہیں پایا جاتا؟ کیا مارکسزم میں صرف واحد حکمران پارٹی ہی کو مال و دولت سے جھولیاں بھرنے کی اجازت ہے، کوئی دوسرا اس کا مستحق نہیں ہے؟ کیا "شہید وطن" لوممبا کے غیر مصری بچوں کو مصری حکومت کے زیر عاطفت تعلیم و تربیت کی پوری سہولتیں حاصل ہو سکتی ہیں، مگر عبدالقادر عودہ کے غریب اور نادار بچوں کا اس میں کوئی حق نہیں ہے؟ آخر ہزاروں قیدیوں کے پیچھے لواحقین کی طویل فہرست تھی۔ اُن کی مائیں، ان کی بیویاں، ان کی بچیاں

ان کے شیر خوار بچے، کیا کسی نے سوچا کہ یہ مصیبت زدہ دو وقت کی روٹی کہاں سے کھاتے ہوں گے؟

لیکن مصر دردِ دل رکھنے والوں سے یکسر خالی نہیں ہے۔ اسکولوں اور کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبہ و طالبات کا ایک گروہ اہلِ خیر کے گھروں میں جا کر اُن سے اعانتیں حاصل کرتا تھا اور حسبِ ضرورت ہر قیدی کے بے سہارا متعلقین تک پہنچاتا تھا۔ مصری حکومت نے اسی گروہ کو "خفیہ تنظیم" سے تعبیر کیا ہے۔ یہ گروہ مصر کی خفیہ پولیس سے اوجھل نہیں تھا۔ یہ سب اخوانی بھی نہ تھے محض انسانی جذبے سے خدمتِ خلق سمجھتے ہوئے بہت سے نوجوان یہ کام کر رہے تھے، اور بہت سے نیک لوگ جن کا اخوان سے کبھی دُور دراز کا تعلق بھی نہ تھا، صرف خدا ترسی اور انسانی ہمدردی کی بنا پر اس کارِ خیر میں ان کی مالی مدد کر رہے تھے۔ کسی شریف آدمی کے تصور میں بھی یہ بات نہ تھی کہ یہ بھی کوئی سیاسی سرگرمی ہے، اس لیے نہ انہوں نے اس کو چھپانے کی کوئی ضرورت محسوس کی اور نہ اس کے لیے کوئی "خفیہ نظام" قائم کیا۔ جو لوگ مصری حکام کے مزاج کو سمجھتے تھے انہوں نے ان نیک دل نوجوانوں کو اس کام سے باز رہنے کی تلقین بھی کی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ "خدمتِ خلق" ایک دن اُن کے لیے تباہ کُن ثابت ہوگی مگر اُن کے دلوں پر اس تلقین کا کوئی اثر نہ ہوا اور وہ برابر اپنے کام میں مگن رہے۔ آخر کار ان کی سوخی طبع ان کے لیے بلا ثابت ہوئی۔ وہ اپنا کام کرتے رہے اور مصری خفیہ پولیس خاموشی کے ساتھ ان کی فہرستیں تیار کرتی رہی۔ آج وہی اخوان کی "خفیہ تنظیم" کے کارکن قرار دیئے گئے اور بہت سے وہ نیک لوگ بھی جو فاقہ کش خاندانوں کی دستگیری کے لیے ان کو مالی مدد دیتے تھے "سازش" کے الزام میں دھر لیے گئے ہیں۔

دوسرا الزام یہ ہے کہ اخوان کے پاس سے اسلحہ کے ذخائر برآمد ہوئے ہیں اور اس اسلحہ سے وہ مصر کی حکومت کا تختہ اُلٹنے اور نامور شخصیتوں کو مارنے اور بڑی بڑی عمارات کو اڑانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ مگر اخبارات میں جس اسلحہ کی تصویریں شائع ہوئی ہیں وہ معمولی چھریاں اور کانٹے ہیں۔ اگر فی الواقع پولیس نے اسلحہ برآمد کیا ہوتا تو یقیناً اُس کے لیے نمائشیں منعقد کی جاتیں اور ٹیلیویژن پر اُسے دکھا دکھا کر دنیا کو باور کرایا جاتا کہ مسلح انقلاب کے لیے یہ سروسامان فراہم کیا گیا تھا۔

کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ برآمد شدہ اسلحہ تو چھپا کر رکھ لیے گئے اور دنیا کو دکھانے کے لیے اخبارات میں صرف چھریاں اور کانٹے پیش کر دیئے گئے؟ کیا مصری حکام نادان بچے ہیں کہ اصل میگزین جو انہوں نے پکڑے تھے انہیں پس پردہ رکھ کر نمائش کے لیے یہ سامانِ مضحکہ دنیا کے سامنے لے آتے؟

ایک مشہور صحافی، جس نے مصر کا دورہ کیا ہے، اس کا بیان ہے کہ حکومت نے صحافیوں کی ایک پارٹی کو کرداسہ کی بستی میں جمع ہونے کی دعوت دی تاکہ انہیں اسلحہ کے ذخائر کا معاینہ کرایا جائے ایک طرف صحافیوں کی جماعت کو کرداسہ پہنچانے کا انتظام کیا گیا اور دوسری طرف فوج کی ایک گاڑی اسلحہ سے بھر کر کرداسہ روانہ کر دی گئی مگر اتفاق سے یہ گاڑی راستہ میں کسی وجہ سے خراب ہو گئی اور وقت مقررہ پر نہ پہنچ سکی نتیجہ یہ ہوا کہ بیچاری پولیس کو اسلحہ کا گودام تیار کرنے کا موقع نہ مل سکا صحافیوں نے جب اسلحہ کے ذخائر دیکھنے کا مطالبہ کیا تو پولیس کو مجبوراً فوجی گاڑی کا معاینہ کرانا پڑا، اور اس نے بتایا کہ اسلحہ کے ذخائر سے مراد یہی گاڑی ہے۔ اس فوجی گاڑی کے علاوہ دوسرے اسلحہ کی اخبارات میں تصاویر تو ضرور دکھائی گئی ہیں مگر اسلحہ کے نمونے نہ کہیں پیش کیے گئے اور نہ عوام الناس کو ان کی زیارت کرائی گئی۔

ان دو بنیادی الزامات کے بعد وقتاً فوقتاً الزامات کا اضافہ ہوتا رہا ہے۔ اور وہ یہ ہیں:-

۱۔ سید قطب، محمد قطب، امینہ قطب، حمیدہ قطب یہ سب بھائی بہن دہشت پسند خفیہ تنظیم کے سربراہ ہیں، ان کی نگرانی میں وہ اسکیم تیار ہو رہی تھی جس کا اگر انکشاف نہ ہو جاتا تو مصر کی اینٹ سے اینٹ بج جاتی۔ ایک ہی گھرانے کے سگے بہن بھائی اتنی بڑی اسکیم کی نگرانی کر رہے ہوں، یہ احمقوں اور بیوقوفوں کا گھرانہ تو ہو سکتا ہے مگر "تفسیر قرآن"، "اسلام کے عدلِ اجتماعی" اور "انسان مادیت اور اسلام کی نظر میں" اور "زندگی کی راہ میں" کے مصنفین کا گھرانہ نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ان لوگوں کا گھرانہ ہو سکتا ہے جس کا ایک فرد دس سال تک قید بامشقت گزار چکا ہو، اور جس کی ایک خاتون دس سال سے عمر قید کی سزا بھگتنے والے شوہر کے انتظار میں بیٹھی ہو۔

۲۔ حسین توفیق نامی ایک شخص کی سازش کا انکشاف کیا گیا۔ اگرچہ پولیس کی فائل اسے

اخوان کی سازش سے الگ سازش شمار کرتی ہے مگر مصری پریس اور اخبارات اسے اخوان ہی کی "سازش" کا ایک حصہ قرار دیتے ہیں۔ پولیس کی فائل میں حسین توفیق کو سعودی عرب کی حکومت کا ایجنٹ قرار دیا گیا تھا۔ مگر سعودی عرب سے اس سازش کو منسوب کرنے میں یہ خطرہ تھا کہ یمن کے مسئلے کو حل کرنے میں رکاوٹ پیش آسکتی ہے اور حکومتِ مصر کی اس وقت شدید خواہش ہے کہ یہ مسئلہ "پُرامن" طریقے سے حل ہو جائے، اس لیے اس "سازش" کو سعودی عرب سے منسوب کرنے کے بجائے اخوان کے حساب میں ڈال دیا گیا۔ کیونکہ یہ لوگ قربانی کے ایسے بکرے ہیں جن کی کوئی ماں نہیں ہے جو اُن کی خیر منا سکتی ہو۔

۳۔ کچھ مدت کے بعد یہ الزام شائع کیا گیا کہ اخوان کی دہشت پسند تنظیم نہ صرف صدر ناصر کے قتل کا منصوبہ تیار کر رہی تھی بلکہ ملکۂ ترنم اُم کلثوم، مشہور موسیقار عبدالوہاب، نامور فلم ایکٹر عبدالحلیم حافظ، اور فلمی دنیا کے تابندہ ستارے فائزہ اور شادیہ کا قتل بھی اُن کی اسکیم میں شامل تھا۔ ان ناموں کے اعلان سے پولیس کا مقصد یہ تھا کہ اگر عوام الناس اپنے محبوب صدر کے قتل کی سازش کا انکشاف سُن کر نہ بھڑکیں گے تو کم از کم اپنے محبوب ہیروؤں کے لیے تو اُن کے دل میں جوش و حمیت کا اُبھر آنا یقینی ہے۔ اور اس واقعہ کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ جب مذکورہ ارباب غناء و رقص کے نام اخبارات میں شائع ہوئے تو ان کے دوسرے ہم جنسوں نے اس پر احتجاج کیا کہ انہیں ہیروؤں کی صف میں شمار کیوں نہیں کیا گیا۔ پولیس نے ان کے اس مطالبے کے بعد کچھ اور ایسے "خطوط" برآمد کر لیے جن سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ مذکورین کے علاوہ اور لوگوں کی کثیر تعداد بھی اخوان کی فہرست میں شامل تھی۔ ان کے نام بھی اخبارات میں شائع کر دیئے گئے۔

۴۔ پریس نوٹ میں کچھ عرصہ بعد یہ اضافہ کیا گیا کہ اخوان کے پاس سے جو اسلحہ برآمد ہوا ہے وہ انہیں سنٹرل ٹریٹی آرگنائزیشن (سنٹو) کی طرف سے ملا ہے۔ یہ درحقیقت پاکستان، ایران اور ٹرکی پر ایک تہمت ہے۔ اس سے مصری حکومت یہ ثابت کرنا چاہتی ہے کہ یہ ملک چونکہ مصر کے

خلاف سازشوں میں شریک ہیں اس لیے حکومتِ مصر مسئلہ کشمیر میں پاکستان کے بجائے ہندوستان سے ہمدردی رکھنے اور مسئلہ قبرص میں ترکی کے بجائے مکاریوس سے تعاون کرنے میں حق بجانب ہے۔ اس تہمت کے اختراع کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ پاک بھارت جنگ کے دوران حکومت مصر نے پاکستان کے معاملے میں پوری عرب قوم کے اجماع سے ہٹ کر جو رویہ اختیار کیا تھا اس پر مصری عوام مطمئن نہیں تھے اور مصر کے اندر بھی اور مصر کے باہر بھی حکومتِ مصر کو اس غلط فیصلے پر بدف تنقید بننا پڑا تھا آخر کار اپنے غلط موقف کے لیے وجہ جواز کے طور پر یہ افسانہ تراشا گیا۔

کہا جاتا ہے کہ جن افراد کو موت کی سزا دی گئی ہے یا دوسری بڑی سزائیں دی گئی ہیں انہوں نے اپنے جرم کا خود اقبال کیا ہے۔ آمرانہ نظام کے اندر "اقبالِ جرم" کا افسانہ کسی دلیل و بصر کا محتاج نہیں ہے۔ اسٹالین کے دور میں اقبالی مجرموں کی داستانوں سے ایک دنیا واقف ہو چکی ہے۔ ہر انسان کی قوتِ برداشت کی ایک حد ہوتی ہے۔ اس حد سے زیادہ اسے اذیت پہنچا کر ہر ناکردہ گناہ کا اس سے اقبال کرایا جا سکتا ہے۔ مگر اس کا کیا جواب ہے کہ جس "عدالت" کے سامنے یہ ملزم پیش کیے گئے اس میں مقدمے کی سماعت کا جب آغاز ہوا تو کارروائی کو ٹیلیویژن پر دکھایا گیا۔ اور جب نظر بندوں نے اپنی تعذیب کی داستانیں سنانی شروع کیں تو یہ کارروائی فوراً روک دی گئی اور اسے بند کمرے میں شروع کر دیا گیا۔ مصری یا غیر مصری صحافیوں کو بھی کارروائی کی سماعت کی اجازت نہیں دی گئی۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل کے نمائندے نے کورٹ میں داخل ہونا چاہا تو اسے بھی منع کر دیا گیا۔ اور اس کے بعد کورٹ کی کارروائیوں کی جتنی خبریں اخبارات میں شائع ہوئیں وہ صرف سرکاری ذرائع سے شائع ہوئیں۔

اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ اخوان کے نظر بندوں نے جرم کا اقبال کر لیا ہے تو ہمارے نزدیک یہ کوئی اہم مجال نہیں ہے۔ اُن کے ساتھ جیلوں میں جو برتاؤ کیا گیا ہے اُس کے پیش نظر کسی محبوس کا ان تمام کے تمام الزامات کی تصدیق کر دینا جو سرکاری پریس نوٹ میں بیان کیے گئے ہیں ناقابل فہم نہیں ہے۔ جس برتاؤ کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے وہ عرب ممالک کے اخبارات میں چھپ چکا

ہے - ریڈ کراس جینوا کا ادارہ اس کا اظہار کر چکا ہے، ایمنسٹی انٹرنیشنل کے نمایندے کی رپورٹ میں اس کی تائید کی جا چکی ہے، اور سب سے بڑھکر یہ کہ عرب ممالک کے بچے بچے کی زبان سے یہ حقیقت دُہرائی جا رہی ہے

ہم یہاں صرف مصر کے سجن حربی (فوجی قید خانے) کے حالات بیان کرتے ہیں جس میں وہ لوگ رکھے جاتے ہیں جن کا انٹیروگیشن کیا جاتا ہے - وہاں اخوان کے ساتھ جو سلوک کیا گیا ہے اُس کی حسب ذیل تفصیلات روزنامہ "المیثاق الاسلامی"، خرطوم، سوڈان - شمارہ بابت ۲ و ۳ فروری ۱۹۶۶ء، روزنامہ "العلم"، رباط، مراکش شمارہ بابت ۲ مارچ ۱۹۶۶ء، اور روزنامہ "عکاظ" جدہ سعودی عرب شمارہ بابت یکم مئی ۱۹۶۶ء میں شائع ہوئی ہیں - یہ اُن قیدیوں کے بیانات ہیں جو کسی نہ کسی طرح اپنے ساتھیوں پر گزرے ہوئے حالات باہر پہنچانے میں کامیاب ہو گئے اور پھر یہ بیانات سوڈان، مراکش اور سعودی عرب کے اخبارات تک پہنچ گئے:

"۳۰ کے قریب اخوان کا ایک گروپ لایا گیا - انہیں تین حصّوں میں تقسیم کیا گیا - ہر ایک کی ٹانگ دوسرے کے بازو سے باندھ دی گئی اور زمین پر چیت لٹا دیا گیا - اس کے بعد دس کرین منگوائے گئے پہلے شخص کے دونوں بازو نمبر ۱ کرین کے ساتھ باندھ دیئے گئے - تیسرے شخص کی دونوں پنڈلیوں کو نمبر ۲ کرین کے ساتھ باندھ دیا گیا - اس طرح ان دس کرینوں نے ۳۰ افراد کو فضا میں لٹکا دیا - یہ کرین پانچ قطاروں میں تھے - اس کے بعد دوسرے نظر بندوں کو لاکر کرینوں سے کچھ فاصلے پر کھڑا کر دیا گیا اور ام کلثوم کے گانوں کے ریکارڈ لگا دیئے گئے جن میں یہ گانا خاص طور پر دہرایا گیا: "یا جمال، یا مثال الوطنیہ" - اخوان کو حکم دیا گیا کہ وہ بھی اس گانے کو دہرائیں - ایک گھنٹہ تک یہ گانا دہرایا جاتا رہا - اس کے بعد داروغۂ جیل حمزہ بسیونی اور اُس کے اسسٹنٹ حسین عرفہ اور دوسرے فوجی افسر آئے - اُن کے آگے آگے حسن الہضیبی اور سید قطب کو اسٹریچر پر ڈال کر لایا گیا - یہ دونوں نیم مُردہ حالت میں تھے اور چل نہیں سکتے تھے - کرینوں پر ٹنگے ہوئے ساتھیوں کے سامنے انہیں کھڑا کر دیا گیا - فوجی افسر نے لٹکے ہوئے ساتھی سے پوچھا: "کیا تجھے اپنا بیان یاد

ہے ؟" اُس نے جواب دیا : ہاں - پھر پوچھا : "جو باتیں تجھے لکھ کر دی گئی ہیں وہ اچھی طرح یاد ہیں ؟" ساتھی نے کہا : ہاں ، خوب یاد ہیں" ہر شخص سے یہی سوالات کیے گئے - پھر پوچھا گیا : "کیا تم عدالت میں ان بیانات کو بدل دو گے ؟" ساتھیوں نے جواب دیا : نہیں - سوال ہُوا : "جیل میں تمہارے ساتھ کیسا برتاؤ کیا گیا ہے" جواب ملا : "بڑا شریفانہ اور مشفقانہ برتاؤ ہُوا ہے" فوجی افسر نے حسن الھضیبی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا : یہ کون ہے ؟ ساتھی نے کہا : جناب مُرشد ہیں (اخوان اپنے صدر کو مُرشد کہتے ہیں) فوجی افسر نے کہا : کہو "مُرشد کفر" ساتھی نے کہا "مُرشدِ کفر" سید قطب کی جانب اشارہ کر کے فوجی افسر نے پوچھا "یہ کون ہے" ؟ ساتھی نے کہا "سید قطب" کہا گیا "اسے مخاطب کر کے کہو : تو بڑا ظالم اور رنادان ہے" ساتھی نے ان الفاظ کو دہرا دیا - یہ سوال و جواب ہر متعلق ساتھی سے کئے گئے - ایسا بھی ہوا کہ ایک ساتھی نے جواب نہ دیا اور خاموشی اختیار کر لی - مگر فوجی افسر نے جلتا ہوا سگریٹ اس کے نازک اعضاء پر لگایا اور وہ بے اختیار پکار اٹھا : "یہ مُرشد کفر ہے اور وہ ظالم اور رنادان ہے"

"اس کارروائی کے بعد وارڈن جمیل حمزہ بسیونی نے تقریر شروع کی اور کہا : ہم پہلے "سبق" دیتے ہیں اور جو شخص "سبق" یاد نہ کرے یا یاد کر کے بُھلا دے اس کو کرینوں کے ذریعہ چیر ڈالا جائے گا اور ہم اس کے ذمہ دار نہیں ہوں گے - یہ کرین کھڑے ہیں - جو چون وچرا کرے گا اس کی دونوں ٹانگیں دو کرینوں کے ساتھ باندھ دیں گے اور دونوں کو مخالف سمتوں میں حرکت دیں گے - اس طرح اس کی ٹانگیں الگ الگ کر دیں گے - ہم تمہیں مرنے نہیں دیں گے - ہم جانتے ہیں کہ تمہیں مرنے کی بڑی آرزو ہے - لیکن ہم اس آرزو کو پورا نہیں کریں گے" (۲۱ دسمبر ۱۹۶۵ء کے واقعات)

"اس جیل میں پانچ خواتین دماغی حادثہ کی شکار ہو گئیں - تقریباً ایک ہفتہ سے وہ حواس باختہ ہیں ایک فوجی افسر آیا اور ان خواتین سے کہنے لگا کہ کیا تمہاری دماغی حالت خراب ہو گئی ہے ؟ میں اسے باور نہیں کرتا - میں ابھی تمہاری دماغی خرابی کو بحال کرتا ہوں - یہ کہہ کر وہ ان بے چاریوں کو شدید اذیت دینے لگا اور انہیں اس قدر زدوکوب کیا کہ وہ آج تک حواس باختہ ہیں" (واقعہ یکم رمضان مطابق ۲۴ دسمبر ۱۹۶۵ء)

"ایک خاتون جو بڑی صاحب علم و فضل ہیں اور تبلیغ کے میدان میں بڑی سرگرم رہی ہیں اُنکے

بھائی کو اس جیل میں لایا گیا ہے اور ۲۰ روز تک مسلسل انہیں اذیت دی گئی ہے اور انہیں مجبور کیا گیا ہے کہ وہ یہ تحریر لکھ دیں کہ ان کی بہن جو اس وقت نظر بند ہے، بدکار عورت ہے اور پیشہ کرتی ہے۔ مگر وہ یہ تحریر لکھنے سے انکار کر رہے ہیں۔ ان کی حالت ابتر ہو چکی ہے۔ ان کی بہن (خدا اُسے سرخرو رکھے) کئی مرتبہ اُن سے یہ درخواست کر چکی ہے کہ آپ یہ تحریر لکھ دیں اور عذاب سے اپنی جان چھڑالیں مگر وہ نہیں مانتے اور بہن سے کہتے ہیں کہ تم میرے لیے بہترین نمونہ بنی ہو، میں انشاء اللہ تمہارے لیے نمونہ بنوں گا۔"

"فوجی قید خانے میں نظر بند خواتین کی تعداد ۲۶۳ تک پہنچ گئی ہے۔ احاطہ نمبر ۴ میں مختلف اوقات میں اُن کی چیخیں سنائی دیتی رہتی ہیں۔"

"شوقی عبدالعظیم کوٹھڑی ۴۲ کی چھت میں یکم رمضان سے سر کے بل روزانہ لٹکائے جا رہے ہیں۔ بالکل برہنہ جسم ہیں۔ چھت پر ایک ٹونٹی لگی ہوئی ہے جس سے پٹرول کے قطرے ٹپکتے ہیں اور شوقی کے سر پر گرتے ہیں۔ اس سے اُن کا سانس گھٹتا رہتا ہے۔ یہ عمل روزانہ ۵ گھنٹے جاری رہتا ہے۔ داروغۂ جیل بار بار آکر اُن سے پوچھتا ہے کہ "کیا تم ابھی تک پکے مومن ہو؟" شوقی جواب میں کہتا ہے: "اے اللہ اگر تو مجھ سے ناراض نہیں تو پھر ان مصائب کی مجھے پروا نہیں"۔ یہ سُن کر داروغۂ جیل غصے میں آکر اُن کے جسم میں سگرٹ بجھاتا ہے اور انہیں کوڑے مارتا ہے۔ ایک رفیق نے موقع پاکر شوقی سے کہا کہ "کم از کم خاموش ہی رہا کریں"۔ مگر شوقی نے جواب میں کہا: "لاحول ولا قوۃ الا باللہ"

"۲۵ دسمبر ۱۹۶۵ء کو حسب معمول تعذیب کے لیے پریڈ ہوئی جسے جیل کی اصطلاح میں (BRAIN WASHING) کہتے ہیں۔ آج تین تعلیم یافتہ خواتین کو بھی لایا گیا۔ ہر خاتون ایک چوبی ٹکٹکی سے کسی ہوئی تھی۔ تینوں خواتین نیم عُریاں حالت میں تھیں۔ اور خون اور پیپ سے اُن کا جسم لت پت تھا۔ صف میں سے قاہرہ کے ایک اخوانی انجینیر محمود عزت اپنی قمیص اُتار کر تیزی سے آگے بڑھے اور ایک خاتون کی ستر پوشی کرنا چاہی۔ مگر یکایک ایک فائر ہوا اور

محمود عزت زمین پر ڈھیر ہو گئے۔ باقی لوگوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے اپنے کپڑے اتاریں اور مادر زاد ننگے ہو جائیں اور اپنے ہاتھ کندھوں تک اٹھائے رکھیں۔ یہ لوگ کئی گھنٹہ اسی حالت میں کھڑے رہے اور جب واپس کوٹھڑیوں میں آئے تو ان کے جسم چکنا چور تھے۔ اس پریڈ کو جیل کی اصطلاح میں ایر فورس کہا جاتا ہے۔

"استاد منیر دلہ (جو فاروق کے عہد میں کونسل آف اسٹیٹ کے قانونی مشیر رہ چکے ہیں) کو دل کے دورے پڑ رہے ہیں۔ ان کی حالت بہت نازک ہے اس کے باوجود انہیں کوڑے بار بار پریڈ میں شامل کیا جاتا ہے۔"

"صالح ابو رقیق (عرب لیگ کے سابق قانونی مشیر) کے بارے میں ہدایات جاری ہوئی ہیں کہ اُن کی خبر دوسروں سے زیادہ لی جائے۔"

"نظر بندوں کو ننگا کرنا، انہیں لوہے کی زنجیروں سے باندھ کر اُن پر کتے چھوڑنا، جلتی ہوئی آگ میں انہیں پھینکنا، بھائیوں کے سامنے بہنوں کو برہنہ کر دینا، مسلسل بھوکا رکھنا، بجلی کے جھٹکے دینا، نیند سے محروم رکھنا، یہ اذیت کے عام طریقے ہیں جو نظر بندوں پر استعمال کیے گئے ہیں۔"

اور یہ طریقے ان لوگوں کے ساتھ اختیار کیے گئے ہیں جو معمولی نوعیت کے آدمی نہیں ہیں بلکہ خود سرکاری پریس نوٹ کے مطابق ان میں ڈاکٹر، وکیل، انجینئر، پروفیسر، ادیب، عالم، ٹکنیک، تاجر اور سرکاری ملازم کثیر تعداد میں ہیں۔ ہم نے جو تعذیبی کارروائیاں اخبارات سے نقل کی ہیں وہ چند مثالیں ہیں، ورنہ ان کارروائیوں کی طویل فہرست ہمارے سامنے ہے۔ لبنان کا ایک عیسائی روکس معکرون جو اس زمانہ میں مصر کی جیل میں تھا اور بعد میں رہا ہو کر آیا۔ ان مظالم کو دیکھ دیکھ کر صبر نہ کرسکا اور اس نے آزاد فضا میں پہنچ کر ایک پمفلٹ شائع کیا جس کا عنوان ہے: "اقسمت ان اروی" (میں نے قسم کھائی ہے کہ یہ حالات بیان کروں گا) اس پمفلٹ کو پڑھ کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ملزموں نے خود اقبال جرم کر لیا ہے دنیا اس قدر بیوقوف نہیں ہے کہ اس دعوے کو من وعن قبول کرے۔ عدالتی

کارروائی کا بھی جو ڈرامہ کھیلا گیا ہے اسے ایمنسٹی انٹرنیشنل کا تبصرہ واضح کر چکا ہے۔ عام ملکی عدالتوں کے بجائے فوجی ارکان پر مشتمل خاص ٹریبونل تشکیل دینے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا ملک کی عام عدالتوں پر اعتماد نہیں تھا؟ نظر بندوں کو کسی وکیل کی خدمات حاصل کرنے کا موقع کیوں نہیں دیا گیا؟ بند کمرے میں کیوں سماعت کی گئی؟ عام سامعین کو اور اخباری نمائندوں کو داخل ہونے سے کیوں روکا گیا؟ سوڈانی وکلاء کو پیروی کی اجازت دینے سے کیوں انکار کیا گیا؟ اس یک طرفہ کارروائی کے ذریعہ سے اپنے ہی ملک کی قیمتی جانوں کو پھانسی پر لٹکا دیا گیا ہے۔ فانتظروا انا معکم منتظرون۔

ادارۂ بتول کے زیر اہتمام پہلی بار

پندرہ روزہ

"الحسنات"

کا اجراء یکم اکتوبر ۶۶ء سے ہو رہا ہے

ابتدائی انتظامات ہو رہے ہیں

زر سالانہ ——— ۷/۰ روپے

فی کاپی ——— ۲۰ پیسے

خریدار اور ایجنٹ حضرات ورق ذیل پتہ پر رجوع فرمائیں

بچوں کے مسلسل مطالبہ کے بعد

پندرہ روزہ

"نور"

جولائی دوم ۶۶ء سے ۳۶ صفحات پر مشتمل شائع ہو رہا ہے لہٰذا آئندہ کے لیے شرح چندہ درج ذیل ہوگی۔

سالانہ ۵۰ ۶ روپے ششماہی ۳/۷۵ پیسے

فی کاپی ۲۵ پیسے

ادارۂ بتول۔ اچھرہ، لاہور